امام ابن تیمیہؒ

۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ

از جناب عبدالرشید عراقی

(۲)

امام ابن تیمیہؒ کا پہلا درس

امام ابن تیمیہ کے والد ماجد عبدالحلیم ابن تیمیہ دارالحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث تھے۔ ۳۰ ذوالحجہ ۶۸۲ھ کو اُن کا انتقال ہوا۔ اُس زمانہ میں تمام مدارس کے اندر حکومت کی طرف سے اساتذہ کا تقرر ہوتا تھا۔ حافظ عبدالحلیم ابن تیمیہ کی وفات کے بعد اُن کے لڑکے تقی الدین بن تیمیہ سے بڑھ کر اُن کی جگہ کا کون اتنا لائق اور موزوں حقدار ہو سکتا تھا۔ حکومت نے فوراً امام ابن تیمیہؒ کا تقرر کر دیا[1] اور اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔[2]

۲ محرم الحرام ۶۸۳ھ کو امام ابن تیمیہؒ نے دارالحدیث السکریہ میں پہلا درس دیا۔ اور اس زمانے میں دستور تھا کہ نئے استاد کے پہلے درس میں قضاۃ و علماء وقت اور عمائدینِ شہر شریک ہوتے تھے۔ چونکہ امام صاحب اپنے علم و فضل کی وجہ سے خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس لیے اُن کے پہلے درس میں لوگ بکثرت شریک ہوئے۔

جن علماء و قضاۃ نے درس میں شرکت کی، اُن کے نام یہ ہیں:۔

قاضی القضاۃ بہاءالدین یوسف بن القاضی الزکی الشافعی (م ۶۸۵ھ) شیخ الاسلام تاج الدین الفزاری الشافعی (م ۶۹۰ھ)۔ شیخ زین الدین ابوحفص عمر الشافعی (م ۶۹۱ھ) شیخ الحنابلہ شیخ

---

[1] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۷۲

[2] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۶۶

زین الدین ابو البرکات المتوفی (م ۶۹۵ھ) اور بہت سے دوسرے سربر آوردہ علمائے کرام تھے۔
اس درس میں تمام حاضرین بے حد متاثر ہوئے اور نوجوان عالم تبحر علمی، حاضر دماغی اور جرات و فصاحت کے معترف ہوئے[2]

حافظ ابن کثیرؒ جو شیخ الاسلام کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اس درس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> یہ محیر العقول درس تھا۔ شیخ تاج الدین الفزاری نے اس کے کثیر فوائد اور لوگوں کی عام پسندیدگی کی وجہ سے اس کو اپنے قلم سے ضبط کیا۔ حاضرین نے ابن تیمیہؒ کی کم عمری اور جوانی کی بنا پر اس درس کی بڑی تعریف کی اور ان کو بہت داد دی۔ اس لیے کہ اُن کی عمر اس وقت ۲۲ سال کی تھی[3]

اس درس میں امام ابن تیمیہؒ نے صرف بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے متعلق اتنے نکات بیان کیے کہ تمام سامعین حیرت میں آگئے۔ اُن کا یہ درس بیش بہا معلومات سے بھرا ہوا تھا[4]

قاضی بننے کی پیش کش

اُن کے علم و فضل کا شہرہ اس قدر عام ہوتا جاتا تھا کہ ۶۹۰ھ سے پہلے جب اُن کی عمر ۳۰ برس کو بھی نہ پہنچی تھی۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ لیکن اُنہوں نے انکار کیا۔ ۶۹۱ھ میں ابن تیمیہؒ نے حج کیا اور جب حج سے واپس آئے تو تمام ملک میں ان کے علم و فضل کا سکہ جم چکا تھا[5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نصرانی کی گستاخی اور ہنگامہ

۶۹۳ھ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس سے ابن تیمیہؒ کی دینی محبت اور ایمانی جذبہ کا عملی اظہار ہوا۔ دمشق میں

۱۔ امام ابن تیمیہؒ محمد یوسف کوکن صفحہ ۴۳

۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۴۵

۳۔ تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۴۶ بحوالہ البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۳

۴۔ امام ابن تیمیہؒ محمد یوسف کوکن صفحہ ۴۳

۵۔ مقالات شبلی جلد پنجم صفحہ ۶۵

عسّاف نامی ایک عیسائی کے متعلق ایک جماعت نے گواہی دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ جب امام صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ دار الحدیث کے شیخ الحدیث زین الدین الفارقی کے ہمراہ نائب السلطنت عزیز الدین ایبک کے پاس گئے اور اس کو اس واقعہ کے بارے میں اطلاع دی۔ اس نے آپ کی بات کو توجہ سے سنا اور مجرم کو بلا بھیجا۔ امام صاحب اور امام زین الدین واپس جارہے تھے اور آپ کے ساتھ ایک مجمع کثیر بھی تھا۔ راستہ میں عسّاف کو لوگوں نے آتا دیکھا اور اس کے ساتھ ایک عرب بھی تھا۔ لوگ عرب کو دیکھ کر گالیاں دینے لگے۔ عرب نے کہا۔ یہ عیسائی تم سے بہتر ہے۔ مجمع یہ سن کر مشتعل ہوگیا اور دونوں پر سنگ باری شروع کردی، جس سے ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اس ہنگامہ کے بعد حاکم نے امام ابن تیمیہؒ اور شیخ فارقی کو بلایا اور اپنے سامنے ان کو زدوکوب کیا۔ عیسائی مسلمان ہوگیا اور اس کی ضمانت کی حفاظت کی گئی۔ اس کے بعد امیر السلطنت نے دونوں علمائے کرام کو چھوڑ دیا اور اپنے کیے کی معافی مانگی۔ اسی زمانہ میں امام صاحب نے اپنی مشہور کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول لکھی[1] اور اس میں امام صاحب نے اس مسئلے پر چار پہلوؤں پر بحث کی۔

۱۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دینا چاہیے۔

۲۔ یہ کہ اس کا قتل واجب ہے۔ چاہے وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو۔ زر فدیہ لے کر یا اس کے ساتھ احسان کرکے اس کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔

۳۔ یہ کہ گالی دینے والے کو چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دینا چاہیے۔ اس سے توبہ نہیں کرانی چاہیے۔ اگر یہ معاملہ سلطان تک پہنچ جائے اور اس پر الزام کا ثبوت ہو جائے تو توبہ کرنے پر بھی اس کی حد ساقط نہیں ہوگی۔

۴۔ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا کافر ہے۔ چاہے وہ اس کو حلال سمجھے یا حلال نہ سمجھے۔[2]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم صفحہ ۴۶ بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۵-۳۳۶۔

[2] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۸۰

امام ابن تیمیہ کی پہلی مخالفت

امام ابن تیمیہ درس و تدریس میں مشغول تھے۔ اور عوام و خواص میں اُن کی مقبولیت و شہرت روز افزوں تھی۔ ۶۹۸ھ میں اُن کے خلاف پہلی بار شورش برپا ہوئی اور اُن کی ذات اور اُن کے عقائد موضوع بحث بنے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ ۶۹۸ھ میں شہر حماۃ (شام) کے چند باشندوں نے ایک استفسار بھیجا جس میں دریافت کیا گیا کہ الرحمن علی العرش استویٰ ــــ ثم استویٰ الی السماء جیسی آیات اور ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن اور یضع الجبار قدمہ فی النار کے بارے میں علماء کی کیا تحقیق ہے۔ اور صفات کے بارے میں علمائے اہلِ سنت کا مسلک کیا ہے۔

شیخ الاسلام نے اس کا مبسوط جواب "العقیدۃ الحمویہ الکبریٰ" کے نام سے لکھا۔ اس میں وضاحت کے ساتھ صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین کرام، ائمہ مجتہدین، متکلمین اور متقدمین کا مسلک بیان کیا۔ اور نہایت شرح و تفصیل سے سلف کے عقیدہ پر روشنی ڈالی۔ مگر اشاعرہ اور متکلمین میں جن کو جمہور اور حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ اور جو قضاء و افتاء کے سرکاری منصبوں سے لے کر درس و تصنیف کے علمی حلقوں تک حاوی تھے، ناراضگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> علماء کا ایک گروہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ حنفی قاضی شیخ جلال الدین کی مجلس میں حاضر ہوں۔ اور اس فتویٰ کے متعلق صفائی پیش کریں۔ ابن تیمیہ نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اس پر شہر میں منادی کرا دی گئی کہ یہ فتویٰ قابلِ قبول نہیں۔ لیکن امیر سیف الدین جاغان نے ابن تیمیہ کی حمایت کی اور اُن لوگوں کو طلب کیا جنہوں نے ہنگامہ کیا تھا۔ مگر اُن میں سے اکثر روپوش ہو گئے۔ امیر نے منادی کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو زدوکوب کیا۔ جس سے باقی خاموش ہو گئے۔ جب جمعہ کا دن تھا تو شیخ اپنی عادت کے مطابق جامع مسجد میں گئے اور اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر بیان کی۔ اگلے روز ہفتہ کو وہ قاضی امام الدین (الشافعی) کے پاس گئے۔ اور فضلاء کی ایک جماعت بھی وہاں آ گئی۔ ان سب نے فتوائے حمویہ کے بارے میں سوال و جواب کیا،

اور کئی مقامات کی توضیح چاہی۔ انہوں نے سب کو مطمئن اور خاموش کر دیا۔ شیخ واپس آگئے اور حالات اعتدال پر آگئے۔

تاتاریوں کے خلاف جہاد امام صاحب سکون کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے، اور تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھا رہے تھے کہ ۶۹۹ھ میں تاتاریوں نے شام پر دھاوا بول دیا۔ اور ناصر الدین قلاؤن والیٔ مصر کے لشکر کو شکست دے دی۔ جس سے سب حواس باختہ ہو گئے۔ مصر و شام کے لشکر نے ہزیمت کھائی اور تاتاریوں نے دمشق کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے لوگ بھی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔[1]

پروفیسر ابوزہرہ مصری اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

اس حملہ کے خوف سے علماء و اکابر نے بھی فرار کی راہ اختیار کی۔ اعیان و امراء کو بھی بھاگتے بنی۔ حد یہ ہے کہ قاضی شافعیہ امام الدین اور قاضی مالکیہ زواوی اور دوسرے کبار علماء اور کبار رجال کے قدم نہ ٹک سکے۔ حالت یہ ہو گئی کہ شہر تمام بڑے آدمیوں سے خالی ہو گیا۔ نہ کوئی حاکم تھا کہ نظم و انتظام اور امن و امان بحال رکھتا، نہ کوئی عالم تھا کہ وعظ و تذکیر اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھتا جس سے حوصلے بلند ہوتے اور عزائم قائم رہتے۔

لیکن ایک عالم تھا جو بے نوا اور بے سہارا عوام کے درمیان استقلال و عزیمت کی پوری شان کے ساتھ موجود تھا۔ نہ یہ بھاگا۔ نہ اس کے قدم اکھڑے۔ اس کا ضمیر اجازت نہیں دیتا تھا کہ عامہ مسلمین کو آشفتہ حال اور پریشان چھوڑ کر اپنی عافیت اور اطمینان کا سہارا پیدا کرے۔ اس مصیبت کے وقت اس نے گوارا نہیں کیا کہ مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا جائے۔ اس کا دینی احساس اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ عوام کو اس کے حال پر چھوڑ کر چلتا بنے کہ ہر طرف انارکی پھیلی ہو، نہ کوئی حاکم ہو، نہ کوئی نظام۔[2]

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۵۰ بحوالہ البدایۃ والنہایہ جلد صفحہ ۴۰

[2] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۸۷-۸۸

دمشق میں کوئی حاکم موجود نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گرانی حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک سو قیدی جیل کا دروازہ توڑ کر باہر نکل آئے۔ اور لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ پورے دمشق میں طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔ اُدھر قازان کی آمد کا غلغلہ تھا۔ جس سے رہے سہے حواس اور پراگندہ تھے[1]

امام ابن تیمیہؒ کی شاہ قازان سے ملاقات

امام ابن تیمیہ ایک وفد کی صورت میں شاہ قازان سے ملاقات کے لیے اس کے لشکر میں پہنچے۔ اور شاہ قازان سے ملاقات کی۔ وفد کے ایک ممبر کمال الدین الانجار اس ملاقات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:۔

میں شیخ کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ سلطان قازان کو عدل و انصاف کی آیات و احادیث اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام سُناتے تھے۔ اُن کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ اور وہ برابر سلطان کے قریب ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ اُن کے گھٹنے اس کے گھٹنے سے مل جائیں۔ سلطان کو اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوئی۔ وہ بڑی توجہ سے کان لگائے اُن کی گفتگو سُن رہا تھا۔ اور ہمہ تن متوجہ تھا۔ اس پہ اُن کا رعب ایسا طاری تھا۔ اور وہ ان سے ایسا متاثر تھا کہ اُس نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ یہ عالم کون ہیں۔ میں نے ابھی تک ایسا شخص نہیں دیکھا اور نہ اُس شخص سے زیادہ کوئی دلیر اور قوی القلب آج تک دیکھنے میں آیا۔ مجھ پر ابھی تک ایسا اثر نہیں پڑا تھا۔ لوگوں نے ان کا تعارف کرایا اور اُن کے علمی اور عملی کمالات کا تذکرہ کیا۔

ابن تیمیہؒ نے قازان سے کہا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مسلمان ہو۔ اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ قاضی امام، شیخ اور مؤذنین بھی رہا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تم نے ہم مسلمانوں پر حملہ کیا۔ حالانکہ تمہارے باپ اور دادا کافر ہونے کے باوجود ایسے اعمال سے محترز رہے۔ اُنہوں نے جو کچھ عہد کیا تھا وہ پورا کیا اور تم نے جو عہد کیا تھا

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۵۳ - بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ صفحہ ۷

وہ توڑ دیا۔ اور جو کچھ کہا تھا، اُس کو پورا نہیں کیا۔ اور بندگانِ خدا پر ظلم کیا[1]

امام صاحب نے یہ تقریر کی اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جس طرح عزت اور سربلندی کے ساتھ دربار سلطانی میں تشریف لے گئے تھے اُسی اِجلال و اکرام کے ساتھ علم کدہ میں واپس تشریف لے گئے[2]

صاحب الکواکب الدریہ الشیخ مرعی بن یوسف الکرمی الحنبلی لکھتے ہیں کہ وفد کے ایک دوسرے رکن قاضی القضاۃ ابو العباس فرماتے ہیں۔

"سلطان قازان کے دربار میں امام صاحب جلوہ افروز ہوئے تو دستر خوان چنا گیا۔ وفد کے ممبروں اور دوسرے لوگوں نے کھانا کھایا۔ لیکن امام ابن تیمیہ نے ہاتھ روک لیا۔ پوچھا گیا۔

آپ کیوں نہیں تناول فرماتے۔

ارشاد فرمایا:

اے سلطان! میں تیرا کھانا کس طرح کھا سکتا ہوں۔ یہ کھانا وہی تو ہے، جو لوگوں کو لوٹ کر تیار کیا گیا ہے۔ یہ جو کچھ پکا ہوا سامنے موجود ہے۔ یہ انہی ٹہنیوں پر لپکایا گیا ہے، جو از راہ ظلم و جور کاٹے ہیں۔ قازان نے سر جھکا لیا۔ پھر امام صاحب سے دُعا کی استدعا کی۔ امام صاحب نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اور فرمایا: اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ قازان نے تلوار اس لیے میان سے نکالی ہے کہ تیرا کلمہ بلند ہو اور تیرے راستہ میں جہاد کرے، تو پھر اُس کی مدد کیجیو۔ اسے اپنی نصرت سے نوازیو۔ لیکن اگر یہ جنگ زرگری میں مبتلا ہے۔ دُنیا اور بادشاہت اور توسیع مملکت کے لیے برسرپیکار ہے تو پھر تو اس سے خوب اچھی طرح سمجھ لیجیو ——— حالت یہ تھی، کہ امام صاحب یہ دُعا کر رہے تھے۔ اور قازان کے منہ سے بے ساختہ آمین آمین نکل رہا تھا۔

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۴۵ بحوالہ الکواکب الدریہ صفحہ ۱۶۲

[2] حیات ابن تیمیہ ابو زہرہ صفحہ ۷۹۔

اور ہم اس خوف سے دامن سمیٹے بیٹھے تھے کہ امام صاحب کی گردن ضرور اُڑا دی جائیگی اور خون کے چھینٹے ہمارے لباس پر پڑیں گے۔ پھر جب ہم دربارِ سلطانی سے اُٹھ کر باہر آئے تو ہم نے امام صاحب سے کہا۔

آپ نے تو آج ہم سب کی جان لے لی تھی اور ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔

امام صاحب نے فرمایا؛

میں خود آپ حضرات کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوں۔ جائیے تشریف لے جائیے،

چنانچہ ہم لوگ چل کھڑے ہوئے اور امام صاحب پیچھے رہ گئے۔

امام صاحب کے اس کارنامہ کا حال سن کر شہر کی عورتیں اور مرد، غریب و امیر سب استقبال اور حصولِ دیدار کے لیے آن موجود ہوتے۔ چنانچہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو تین سو عقیدت مندوں اور ثنا خوانوں کا مجمع ہم رکاب تھا۔

اور ہماری یہ گت بنی کہ جب ہم امام صاحب سے جدا ہو کر آگے بڑھے، تو غارت گروں کی ایک جماعت نے ہم پر چھاپا مارا۔ اور ہمارے کپڑے تک اُتروا لیے۔[۱]

اس کے بعد اگرچہ تاتاریوں کی طرف سے اہلِ دمشق کو پروانہ امن مل گیا تھا، لیکن شہر میں مکمل طور پر امن و سکون نہیں ہو سکا تھا۔ لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گمراہی حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے شریف خاندانوں اور علماء کے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں غلام اور باندیاں بنالی گئیں۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت امام نے دوبارہ قازان سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ لیکن سلطان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اس کے بعد اگرچہ قازان چلا گیا۔ اور جاتے ہوتے یہ کہہ گیا کہ اگلے سال پھر موسم خزاں میں ہم دوبارہ آئیں گے اور شام کے ساتھ مصر بھی فتح کریں گے۔[۲]

تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور اعلان جہاد اور حضرت امام کا شاہ مصر کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق

سنہ ھ شروع ہی ہوا تھا کہ تاتاریوں کی دوبارہ آمد کی اطلاع دمشق میں پہنچی۔ لوگوں کے حواس جاتے رہے۔

---

[۱] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۸۰ — ۸۱

[۲] تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم صفحہ ۵۷

دہشت اور سراسیمگی کا دور شروع ہو گیا۔ نہ کوئی حاکم تھا، نہ کوئی محکوم، نہ کوئی آئین تھا، نہ قانون۔ امام صاحب کی غیرت ملی پھر جوش میں آئی۔ وہ مدرسہ سے نکلے، میدان میں آئے اور سپاہِ شام کو قتال و جہاد پر اکسایا۔ اُن سے نصرت کا وعدہ کیا۔ ظفر کی بشارت دی اور کلام پاک کی اس آیت مبارکہ

اور جس نے اُسی قدر بدلہ لیا جس قدر اُسے تکلیف دی گئی تھی۔ پھر اُس پر زیادتی کی گئی، تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ درگذر کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔ (الحج — ۶۰)

کی تفسیر کرتے ہوئے ایسی دلنشین تقریر کی کہ لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔

اس کے بعد امرائے دمشق نے امام صاحب سے درخواست کی کہ وہ مصر تشریف لے جائیں اور شاہ مصر کو اس پر آمادہ کریں۔ چنانچہ شیخ الاسلام مصر پہنچے تو شاہ مصر کو غیرت دلائی۔ چنانچہ امام صاحب کی ایمان افروز تقریر سے سلطان شام کی مدد کے لیے آمادہ ہو گیا [1]

امام صاحب کے دمشق سے چلے جانے کے بعد وہاں کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تھے اور تاتاریوں کی آمد قریب تھی۔ اور دوسری طرف سلطان کی واپسی کی خبر بھی پھیل گئی۔ جس سے شہر میں بہت افراتفری پھیل گئی اور دوسرا واقعہ یہ رونما ہوا کہ دمشق کے حاکم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص دمشق سے جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔ اُس پر کسی قسم کی گرفت نہیں۔ اس اعلان سے لوگ اور بھی سراسیمہ ہو گئے۔ اور شہر سے نکلنا شروع کر دیا۔ اُدھر امام صاحب مصر سے دمشق واپس پہنچ گئے تو لوگوں کو کچھ حوصلہ ہوا۔ امام صاحب نے مصری افواج کی آمد کی خوشخبری سنائی۔ چنانچہ لوگ مصری افواج کے استقبال کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ابھی مصر کا لشکر نہیں پہنچا تھا کہ معلوم ہوا کہ تاتاری شام پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے کم از کم اس سال کے لیے تو چلے گئے [2]

---

[1] حیات ابن تیمیہ ابو زہرہ صفحہ ۸۴ بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۵

[2] حیات ابن تیمیہ ابو زہرہ صفحہ ۸۵

شرک و بدعت کے ازالہ کے لیے امام ابن تیمیہؒ کی مساعی

امام ابن تیمیہ ایک پُرجوش عالم تھے۔ وہ ابتداء ہی سے کتاب و سنّت کی روشن تعلیمات کی اشاعت میں اپنا بہت زیادہ وقت صرف کیا کرتے تھے۔ اُن کی نظر کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک تھا۔

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه ذلك اضعف الايمان (الحديث)

تم میں سے جو کوئی بُرائی دیکھے تو چاہیے کہ اُس اپنے ہاتھ سے بدل دے مگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے کام لے۔ پھر اگر اتنی بھی استطاعت نہ ہو تو اُس کو اپنے دل میں بُرا سمجھے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

امام صاحب نے تاتاریوں سے فرصت پا کر حسبِ معمول پوری سرگرمی کے ساتھ درس و تدریس اشاعتِ سنّت اور ردّ بدعت کا کام شروع کر دیا۔ اور شرک و جاہلیت کے خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے۔ امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ شرک و بدعت کا قلع قمع کیا جائے۔ اس زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اختلاط اور فاسد العقیدہ اور جاہل مقتداؤں کی تعلیم سے بہت سے ایسے اعمال آ گئے تھے جو جاہلیت کی یادگار اور مشرک و بُت پرست اقوام کا شعار تھے۔ امام صاحب نے ان سب منکرات کی تردید میں پہلے یہ کام کیا کہ کتاب و سنّت اور فقہ اسلامی کے دلائل و براہین کے ساتھ اُن کا مدلّل اور مفصّل جواب لکھا۔ اس سے عوام پر بہت اچھا اثر پڑا۔ اور عوام کو معلوم ہوا کہ عام مسائلِ زندگی میں کتاب و سنّت کے ارشادات سے کس طرح استدلال و استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرا آپ نے عملی کام یہ کیا کہ نہر قلوط کے کنارے ایک چٹان تھی جس کی زیارت کو مسلمان جاتے تھے اور وہاں جا کر نذر نیاز دیتے تھے۔ امام صاحب رجب ۷۰۴ھ میں مزدوروں اور سنگ تراشوں کے ساتھ وہاں خود گئے۔ اور اس کو کاٹ کر بالکل نیست و نابود کر دیا۔[1] (باقی)

---

[1] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۹۶ - امام ابن تیمیہؒ محمد یوسف کوکن صفحہ ۱۳۶ - تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۴۶ - بحوالہ البدایہ والنہایۃ جلد ۱۴ صفحہ ۳۴